ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.3 (2026)
(July to September)

حلقہ اربابِ ذوق کے معیارِات شعر: جیلانی کامران کی شاعری: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

The Poetic Standards of Halqa-e-Arbab-e-Zauq: A Critical and Research-Based Study of Jilani Kamran's Poetry

ڈاکٹر محمد اشرف

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ گریجویٹ کالج، ملتان

Dr. Muhammad Ashraf

Assistant Professor, Department of Urdu, Govt.Willayat Hussain Islamia Graduate College, Multan

ashrafmalik8033@gmail.com

Abstract:

Gilani Kamran is a renowned Urdu poet associated with the Halqa Arbab e Zouq.He is considered a representative poet of modern Urdu free verse. His poetic style stands out with uniqueness and distinctive expression. Some of his collections include 'Istanze,' 'Naqsh-e-Kaf Pa,' 'Chhoti Badi Nazmain,' 'Dastaweez,' 'Bagh-e-Dunya,' 'Aur Nazmain,' and 'Baqi Nazmain.' The individuality of Gilani Kamran's poetry lies in the dexterous utilization of symbols, similes and metaphors. He has very unique, elegant and distinctive style. His poetry makes him an illustrious and acclaimed poet. It encompasses a huge variety of themes and innovative terms under the mask of nature and its manifestation. His poetry is infused with Sufi inclinations, both foreign and indigenous influences, imagination, emotions, mystical concepts, and transcendent ideas. It revives the sense of individuality in the Muslim persona, highlighting hope, longing, Islamic Ajami tradition, Islamic civilization and cultural practices and compassion for humanity.

Key words: Gilani Kamran, Halqa Arbab e Zouq, modern Urdu free verse, individuality, indigenous influences, metaphysical thoughts

حالیؔ، حفیظ جالندھریؔ، اقبالؔ کے ساتھ جدید اُردو نظم کی روایت میں جہاں تصدق حسین خالدؔ، ن۔م۔راشدؔ، میراجیؔ، قیوم نظرؔ، مختار صدیقیؔ، یوسف ظفرؔ، ضیا جالندھریؔ، مجید امجدؔ اور دیگر شعرا کے نام نمایاں طور پر لیے جاتے ہیں وہی جدید اُردو نظم کی اس روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے جیلانی کامران جیسے آزاد نظم گو شاعر نے جدید نظم نگاری میں نئے اچھوتے وانوکھے موضوعات، علامات، استعاروں، تشبیہات اور نئی ہئیتوں کے ساتھ نئے شعری تجربات کیے۔ان کی شعری جہات میں، "استانزے"(۱۹۵۹)، "نقشِ کف پا"(۱۹۶۲)، "چھوٹی بڑی نظمیں"(۱۹۶۷)، "دستاویز"(۱۹۷۲)، "باغِ دنیا"(۱۹۸۷)، "اور نظمیں"(۱۹۹۷)، اور "باقی نظمیں"(۲۰۰۹) جیسے شعری مجموعے قابلِ ذکر ہیں۔ بیسویں صدی کی ابتداء سے پہلے ہی اُردو ادب اپنے لیے نئے دریچے وا کر چکا تھا۔

دوسری شعری اصناف کی طرح جدید اُردو شاعری کا آغاز لاہور میں "انجمن پنجاب"(۱۸۶۵) کے ذریعے "لارڈ لائٹر" کی کوششوں سے اس انجمن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے مشاعروں سے ہوا، جس کے نقیب مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی تھے۔ آزاد اور حالی شاعری کو عشق و عاشقی کے مضامین و موضوعات سے نکال کر زندگی اور حقیقت جیسے موضوعات کے

قریب لانے کے خواہش مند تھے۔ اس مقصد کے لیے اُنھوں نے نئی نئی مختلف موضوعات پر نظمیں تخلیق کیں، آزاد کی "شبِ قدر"، "صُبحِ اُمید" اور "حبِ وطن" اسی طرح حالی کی "برکھارُت"، "نشاطِ اُمید"، "مناظرہ رحم وانصاف" اور "حُبِ وطن" جیسی نظمیں بڑی اہم ہیں جن میں ایک نیا انداز، نیا لہجہ، ہیئت اور نئے جذبات دکھائی دیتے ہیں۔ حالی نے وقت کے تقاضوں کے تحت اصلاحِ نظم کی تحریک چلائی کیونکہ وہ شاعری کے قدیم انداز سے بے زار، اور نئے موضوعات کے متمدنی تھے۔ اس دور کی سرسید کی علمی تحریک"، علی گڑھ تحریک" نے حالؔی میں ایک ایسا تحرک پیدا کیا کہ اس کے زیر اثر اپنی مشہور نظم "مدوجزر اسلام (مسدس حالؔی) ۱۸۷۹ تخلیق کی۔

اسی طرح حالی کے ہم عصر شاعر اکبر الٰہ آبادی جو قدامت پسند تو ضرور تھے لیکن آنے والے وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے طنز و مزاح کا سہارا لے کر جدید شاعری کو اپنایا۔ مولانا شبلی نعمانی کی چند جدت پسند نظمیں اور اسماعیل میرٹھی کا انگریزی نظموں کے اُردو تراجم نے مغربی افکار و خیالات کو اُردو نظموں میں سمویا، یوں انیسویں صدی کے اختتام پر اُردو شاعری میں جدید نظموں کا آغاز ہو چکا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز سے ہی اُردو شاعری جدید طرز پر اپنا اظہار کرنے کے لیے تیار تھی۔ جس کی بنیادی وجہ عالمی و برصغیر میں تبدیل ہوتے ہوئے سیاسی، معاشرتی، سماجی، معاشی و اجتماعی حالات تھے اور شاعری کا انفرادی و جذباتی تصوّر تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ کیونکہ بیسویں صدی میں سیاسی شعور زیادہ بیدار ہو گیا تھا اور بین الاقوامی مسائل کو بھی اُردو شاعری میں اُجاگر کیا جانے لگا تھا۔ اقبال بیسویں صدی کے بڑے شاعر کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جنھوں نے انقلابی، سماجی اور انسانی لہجہ کو شاعری میں شامل کیا پھر جنگِ عظیم اول (۱۹۱۴) نے لوگوں کی سوچ اور انداز پر اپنے اثرات مرتب کیے۔

> "جنگِ عظیم نے اُردو شاعری کو اور زیادہ مغربی اور زیادہ انقلابی اور زیادہ سماجی اور زیادہ ذہنی اور زیادہ تجرباتی بنا دیا۔" (۱)

اقبالؔ اور دیگر ہم عصر شعراء نے نظم نگاری کے اس سفر کو جاری رکھا پھر ۱۹۳۶ میں ترقی پسند تحریک کے شعراء نے نظم کو نئے موضوعات سے آشنا کیا۔ لیکن نظم کو پابند ہیئتوں سے نجات دلانے، نئی علامتوں، نئے استعاروں، نئی تشبیہات، تمثال، امیجری، فطرت اور مظاہرِ فطرت کے پردے میں اظہارِ حُسن، فرد کی تنہائی اور تشخّص کا احیاء پھر آزاد نظم کو باقاعدہ ایک صنف قرار دلانے والوں میں تصدق حسین خالؔد، ن۔ م۔ راشدؔ، میراجیؔ، قیوم نظرؔ، یوسف ظفرؔ، مختار صدیقیؔ، ضیاء جالندھریؔ، مجید امجدؔ، وزیر آغاؔ، کے ساتھ جدید آزاد نظم پسند شاعر جیلانی کامران کے نام نمایاں ہیں۔ جیلانی کامران خالصتاً آزاد نظم نگار شاعر کے طور پر اُردو شعر اَدب کی روایت میں ایک اہم مقام مرتبہ رکھتے ہیں۔

> " نظمِ معریٰ اور آزاد نظم پابند نظم کے مقابلے میں "آزاد" ہیں لیکن ان کے علیحدہ اصول و ضوابط ہیں۔ "نظم معریٰ میں صرف ردیف و قافیہ کی پابندی نہیں کی جاتی ورنہ تمام مصرے برابر ہوتے ہیں اور نظمِ آزاد میں ایک قدم اور آگے بڑھایا گیا ہے یعنی مصرے چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں ان ارکان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔" (۲)

جیلانی کامران ابتداء میں ترقی پسند تحریک کے نظریات سے متاثر رہے لیکن بہت جلد ہی وہ ترقی پسند تحریک کی نظریاتی پابندی سے اُکتا کر حلقہ اربابِ ذوق جیسی ادبی و فکری انجماد کو توڑنے اور نئے نئے مغربی رجحانات کو اپنانے، نئی ہیئتوں، علامتوں، استعاروں، تشبیہات اور نئے موضوعات کو پیش کرنے والی تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ جس میں جیلانی کامران نے اپنی پہلی نظم "شعلے"

۱۹۴۳ میں پڑھی تو ان کی اس نظم کو بہت سراہا گیا۔ لیکن ابتداء کی نظموں کے بارے میں جیلانی کامران کا موقف تھا کہ یہ نظمیں ترقی پسند تحریک کے زیر اثر لکھی گئی ہیں اور اس دور کی شاعری میں بچگانہ انداز شامل ہے، جو جدید اُردو آزاد نظم کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی ہیں۔ حلقہ اربابِ ذوق سے وابستہ ہونے کے بعد چونکہ جیلانی کامران ذہنی طور پر نظم کو پسند کرتے تھے اور فکری طور پر تصدق حسین خالدؔ، ن۔ م۔ راشدؔ اور میر اجیؔ کے ادبی رجحانات سے متاثر ہوئے، جس وجہ سے تادمِ آخر تک حلقہ اربابِ ذوق کی نظریاتی آزادی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ جب ہم جیلانی کامران کی شاعری کا تجزیاتی جائزہ لیتے ہیں تو ان کی نظموں میں حلقہ اربابِ ذوق کے معیاراتِ شعر کے مطابق، نئی نظم اور جداگانہ شعری تصور، نئے شعری تجربات کی پیش کش، موضوعات کی قید سے گریز، ترقی پسند تحریک کے نظریات کی نفی، نظریاتی پابندی سے نفرت، مغربی فنون اور ادبیات کا اظہار، شعری مجموعہ "استانزے" تسخیر کائنات سے شناسائی یا آگاہی، مظاہرِ قدرت اور مناظرِ فطرت کی عکاسی، سائنسی ادراک کا شعور، وجودیت کا اظہار، ہیئت اور اسلوب کے نئے تجربات، شاعری کی تہذیب و ترتیب کی فکر، فکری مشاہدے، خیال یا تخیل کی قید سے گریز، مادیت کی نفی کا اظہار، نئے الفاظ اور لفظوں کا فنکارانہ استعمال، تراکیب، محاکات (امیجری) تشبیہات اور استعاروں کا استعمال اسلامی، عجمی، عربی روایات و تہذیب و ثقافت کا اظہار، اسلامی وہندی اساطیر و علامات کا استعمال، نئی علامتوں اور محاورں کی تلاش و استعمال، داخلیت اور خارجیت کا اظہار، نظموں میں عالمگیر اکائی کی پیش کش، جمالیات کا اظہار، فرد کی بے حسی کا دکھ و احساس، انسانی بنیادی اقدار کی قدر اور حقیقتوں کا اظہار، زندگی کی منفی اقدار کی نفی اور مثبت اقدار کی پیش کش، روایت اور جدت کا دلچسپ و خوبصورت امتزاج، تہذیبی اقدار کی پیش کش، نظموں میں لسانی شعور کی پیش کش، معاشرتی، سیاسی، سماجی، ثقافتی اور معاشی کروٹوں کا اظہار، شاعری کے انجماد اور جمود کی فکر، حیرت و استعجاب کی شاعری، زندگی کے آشوب کا اظہار، شعری مجموعہ "نقش کف پا" اسلامی ثقافت کا اظہار، مذہبی علامات کا استعمال، انسان کا اپنی حقیقت اور فکری نظام سے دوری کا احساس، شعری مجموعہ، "باغ دنیا" اسلامی نشاۃ الثانیہ کا احیا کا اظہار، کائنات کی وسعتوں اور ان دیکھے کشف کی پیش کش، خدا، انسان اور زمین کے باہمی رشتہ کا احساس، جیسے موضوعات دکھائی دیتے ہیں۔

جیلانی کامران بنیادی طور پر آزاد نظم کے شاعر تھے اُنھوں نے اپنے تمام شعری مجموعوں میں نئے موضوعات اور ہمارے ارد گرد کے معاشرتی، سیاسی، معاشی، ادبی ماحول کی عکاسی کی ہے، اور اس میکانکی دور میں انسان اور انسانی تشخص کو تلاش و بحال کرتے نظر آتے ہیں، یعنی جیلانی کامران نے آزاد نظم کے ذریعے نہ صرف اسلامی و انسانی تشخص کو بحال کیا ہے بلکہ ایک منفرد لب و لہجہ کے جدید آزاد نظم گو شاعر کے طور پر نئی شعری اَدبی روایت میں اپنا اہم مقام و مرتبہ متعین کیا ہے۔ ہر تخلیق کار جب کوئی ادب پارہ تخلیق کرتا ہے تو وہ اپنے ارد گرد کے ماحول، مظاہرِ فطرت اور مناظرِ قدرت سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ کیونکہ فطرت اور مظاہرِ فطرت اپنی حقیقت کے وجود کا ہر شعور رکھنے والے تخلیق کار پر اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ دوسرا ہر انسان کا گردونواح کا ماحول بھی اس کے ذہنی فکر و شعور کو مرتب کرتا ہے۔ جیلانی کامران جیسا شاعر بھی اپنے ارد گرد کے ماحول اور مظاہرِ فطرت کے ساتھ مناظرِ قدرت سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں۔ گھریلو تدریسی و مذہبی ماحول، پونچھ (کشمیر) کا قدرتی حُسن سے مالا مال پُر فضا علاقہ، وکٹوریہ ہائی سکول کا ابتدائی اَدبی ماحول، لاہور کی فکری، ادبی فضا پھر "ایڈنبرا" (انگلینڈ) کا خوبصورت مظاہر فطرت اور مناظر قدرت کے پر سکون ماحول نے جیلانی کامران جیسے ذہین اور پڑھے لکھے شاعر کو اپنے رنگوں میں رنگ دیا۔ ان کے پہلے شعری مجموعے "استانزے" میں یہ رنگ پورے عروج پر دکھائی دیتا ہے۔

جیسے چمن میں سرخ پھول، ایسے وہ خوش نصیب ہے اب تو گذر، اے نیک دل،
مَیں نے کہا ہے خوش ترین تیرے بغیر کون ہے

(یمن کا شاعر جنوبی فرانس میں / استانزے، ص:۲۸)

اپنے شعری مجموعہ "استانزے" میں جیلانی کامران مظاہرِ فطرت اور مناظرِ قدرت کے پردے میں اپنے وطن پاکستان کے لوگوں کی محرومیوں اوران کے دکھ و کرَب کو بیان کرتے ہیں۔ وطنِ پاکستان جو بڑی قربانیوں، لازوال کوششوں سے اس چاہت و مقصد کے ساتھ حاصل کیا تھا کہ یہاں سکون، امن، ہمدردی، محبت و بھائی چارہ کی فضا ہو گی۔ لیکن قیامِ پاکستان کے بعد جس طرح ایک انسان دوسرے انسانوں کی گردنیں کاٹتا ہوا، خود غرض، بے حس بنا دیکھا، تہذیبی و ثقافتی روایات سے منہ موڑتا ہوا، اسلامی و عجمی حقیقی روایات کو چھوڑتا ہوا، انسانی اقدار کی تذلیل کرتا ہوا، نظر آیا تو جیلانی کامران کی وہ ساری خوشی جو تحریکِ آزادیِ پاکستان کی جدوجہد اور قیام پاکستان کے وقت تھی ایک دم سے دُکھ، کرَب اور حیرت استعجاب میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

کئی دفعہ خزاں ہوئی، کئی دفعہ زمیں کے پھول اس کے وطن میں کِھل چکے، رہتی
ہے جو کہیں اُداس میرے سفر کے رہنما، رہوں میں یوتو لاکھ بار کلیاں بھی ہیں
ہزار رنگ، لیکن نہیں وہ آس پاس کس سے کہوں کہ اس دفعہ پھولوں کے دن
عذاب ہیں۔

(یمن کا شاعر جنوبی فرانس میں / استانزے، ص:۴۰)

مظاہرِ فطرت اور مناظرِ قدرت کے یہ رنگ جیلانی کامران کی ذہنی و فکری سطحوں کو مختلف رنگوں اور انداز سے اُجاگر کرتے ہیں۔ فطرت کی عکاسی ان کی تمام شاعری میں جابجا نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اپنا بنیادی نقطہ نظر انسان اورانسان سے وابستہ مسائل، دکھ و کرَب کو ہمیشہ بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ جیلانی کامران ایک اِحساس مند انسان اور حساس شاعر تھے جو اپنے اِرد گرد ہونے والی معاشرتی تبدیلیوں کو بڑی گہرائی سے مشاہدہ کرتے تھے۔ جس کا اظہار وہ اپنی نظموں میں مظاہرِ فطرت کے رنگوں میں کرتے ہیں۔ جن میں انسانی عقل کے لیے بڑی گہری اور سوچ و بچار کے پہلوؤں موجود ہوتے ہیں۔

بے ثبات کی دنیا موسموں میں اُتری ہ
پُھول بن کے آئی ہے
گلشنوں میں اُتری ہے
آنسوؤں میں اُتری ہے
دل میں کچھ برس جی کر آنگنوں میں اُتری ہے!

(بے ثبات کی دنیا / اور نظمیں، ص:۳۴)

"جیلانی کامران کی شاعری اپنا ایک سندیسار کھتی ہے اور ہم
سے ایک نئے سیاق میں سمجھے جانے کا مطالبہ کرتی ہے۔"(۳)

جیلانی کامران کا پہلا شعری مجموعہ "اَستانزے"، اپنی نوعیت کا انوکھا شعری تجربہ تھا جس کے شائع ہونے کے بعد شعر و اَدب میں نئی بحث شروع ہوئی جو لسانی تشکیلات کے حوالے سے تھی۔ کیونکہ اس شعری مجموعے میں شاعر نے نئی ہیئتوں کو اپنایا اور پرانی بندشوں کو وا

بھی کیا اور ترک بھی۔ اُنھوں نے اپنے خطے اور مُلک کے حالات مسائل کو ایک یورپ جیسے براعظم میں بیٹھ کر وہاں کے قدرتی ماحول اور مناظرِ فطرت کے پردے میں انسانی دُکھ کرَب کا اظہار بھی کیا ہے اور نئی علامتوں واستعاروں کو استعمال بھی۔ ''یمن کا شاعر جنوبی فرانس میں'' جیسی نظم میں جیلانی کامران نے اپنا رشتہ اسلامی، عجمی و عربی روایت سے جوڑا ہے۔ جس میں وہ اپنے ملک کے دکھ، کرَب کو بیان کرتا نظر آتا ہے، جس ملک کی چاہ میں سب کچھ قربان کیا اس کے حصّول کے بعد پہلے سے کہیں زیادہ غم، دکھ، مشکلات، بے حِسی ،خود غرضی، انسان کا چہرہ مسکرانے کی بجائے مرجھایا ہوا دکھائی دیا۔

سارے طلسم توڑ کر، مَیں نے تُجھے حسیں کہا،
اپنے بدن کی موت سے، مَیں نے چنا تو کیا چنا
لمبے اُداس راستے، سہمے ہوئے ہزار خواب،
آخر، خزاں کی پیشکش، جس نے دیے کئی گُنا
صدمے، کہ مَیں اُٹھا سکوں !

(یمن کا شاعر جنوبی فرانس میں / استانزے، ص:۳۳،۳۲)

اسی طرح ''استانزے'' میں شامل نظم ''ابی نمر'' میں بھی جیلانی کامران نے اسلامی تہذیب وثقافت کے ساتھ اسلامی و عجمی روایات کو ''ابی نمر'' کی صورت میں بیان کیا ہے جو اُردو شاعری کا رشتہ، عربوں کی عظیم الشان علمی وادبی اور شعری روایات سے وابستہ کرتا ہے۔ شاعر بلادِ غیر میں اپنے وطن کو یاد کرتا ہے جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔ وطن سے یہ محبت اس لیے بھی ہے کہ وہاں اس کی محبوبہ ''فاطمہ'' بھی رہتی ہے۔ ''فاطمہ'' علامت ہے خوشی اور امن وسکون کی کیونکہ شاعر سمجھتا ہے کہ یہ دنیا ایک کربلا کا روپ اختیار کر چکی ہے۔ جس میں ہر طرف خون ریزی کا سماں ہے، ظلم واستبداد جاری وساری ہے اور ''فاطمہ'' اس ''کربلا'' میں پھولوں کی قربانی سے حق وصداقت کی آواز بُلند کرتی نظر آتی ہے۔ کیونکہ ''کربلا'' استعارہ ہے ظلم وستم اور حق ومعرفت کے ٹکراؤ کا، یوں اس نظم میں شاعر نے ''فاطمہ'' کے کردار کے ذریعے ایک طرف تو بلادِ غیر میں وطن سے محبت کا اظہار کرتا نظر آتا ہے۔ دوسری طرف اسلامی وعجمی وعربی روایت کی ریت نبھاتے ہوئے اس کردار کو دو حوالوں سے تاریخی حُسن بخشا ہے۔ ''ابی نمر'' نظم کے کردار ''فاطمہ'' کے ذریعے جیلانی کامران اس دنیا کے لوگوں پر جو دکھوں مشکلات اور مسائل کی یلغار ہے وہ اُسے خوشیوں، بہاروں، رنگینوں میں بدل دینا چاہتا ہے۔

اس نے کہا، زمین کی مہلت ہے بے خبر، اور بے خبر ہیں موت کی مجلس کے داخلے ،بکھرے ہوئے نصیب کی تلخی ہے کائنات، کانٹوں پہ کب کے سرخ ہیں پھُولوں کے راستے کلیوں کو اپنے ہاتھ سے چنتے ہوئے بہار کہتی ہے، فاطمہ کو پکارو! گذر کرے دنیا، بہت دنوں سے کسی کربلا میں ہے۔

(ابی نمر / استانزے، ص:۵۶)

''۱۹۴۷ تا ۱۹۷۱ تک کے دور میں کچھ شاعروں نے ذات کے کرَب کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے بعد اپنا قدم ذات کے دائرے سے باہر نکالا اور تہذیبی دائرے

کو مرکزی مقام دیا۔ جیلانی کامران انہی شاعروں میں سے ایک ہیں جن علامتوں
اور موضوعات کو اسلامی تہذیبی تناظر کا ساختیانہ کہا جاسکتا ہے۔"(۴)

"استانزے" کی دوسری نظموں میں بھی جیلانی کامران نے اِسی اسلامی تہذیب وثقافت کو اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کا دنیا کی رونقوں میں مست ہوجانے کے المیہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ جس نے انسان کو نہ صرف خدا سے دور کر دیا ہے بلکہ انسانوں کا آپس کے مکالمے اور گفتگو میں بھی فقدان پایا جاتا ہے۔ جس وجہ سے معاشرے میں بے حِسی اور خود غرضی کا انسانی زندگی میں عمل دخل زیادہ ہوگیا ہے۔ انسان تاریکی اور گمراہی میں ڈوب چکا ہے۔ دنیا کی رونقوں نے فرد کو مشینی زندگی میں ڈھال دیا ہے۔ جس کا مقصد صرف دولت جمع کرنا رہ گیا ہے، گھر، رشتہ داری، حلقہ احباب، بھائی چارہ، محبت وہمدردی جیسے جذبات واحساسات معدوم ہوگئے ہیں تو شاعر نئے دنوں، نئے سورج اور خوشی کا متلاشی نظر آتا ہے۔

اُوس نے مُجھ سے کہا___ اشک! جہاں چلایا
ناسمجھ شخص! کسے آتی ہوئی صبح ملی
اے خدا! مجھ کو نیا روزِ دِکھا!
اے خدا! مجھ کو دکھا راہ، کہ گم راہ ہوں مَیں
روشنی، میری طرف لوٹ! مَیں تاریکی ہوں
(استانزے / استانزے، ص:۱۷)

"عصری ماحول میں انسان کی تنہائی اور احساسِ کرب کی وجہ
خدا ہی سے تعلق کی شکستگی نہیں بلکہ ہم عصر انسان سے مکالمے
کا فقدان بھی ہے۔ جدید متمدن زندگی نے انسانوں کے مابین
ایک زبردست خلیج کو جنم دیا ہے اور جوں جوں شہری زندگی کا
ارتقاء ہورہا ہے انسان کی اجنبیت اور تنہائی کا احساس بڑھتا جارہا ہے۔"(۵)

جیلانی کامران نے اپنی نظم "ہندوستانی درویش اور عراقی" میں ہندوستانی درویش کے کردار کے ذریعے ماضی، حال اور مستقبل کے تناظر میں تمام حقائق کو پیش کیا ہے۔ جن سے ہم صدیوں سے وابستہ چلے آرہے ہیں اس کردار کے ذریعے جیلانی کامران نے اپنے دیس، مٹی کی باس اور مہک کو اُجاگر کرنے کی کوشش کے ساتھ ایک حکایت کی صورت میں بیان کیا ہے۔ جس میں ہندوستانی درویش کہیں پر اپنے بیتے لمحوں اور اس سے پیدا ہونی والی اُداسیوں کو نوحہ کی صورت میں بیان کرتا ہے تو کہیں کسی پہاڑ کی چٹان کا سایا ڈھونڈتا ہوا نظر آتا ہے، کہیں زندگی کے غموں کو خوشیوں میں بدلنے کا خواہش مند ہے۔ لیکن اِس دُنیا میں ہر انسان دُکھ اور غم دینے کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔ شاعر آریہ دیس کی جمنا سے ختن دریا تک فاصلوں کو مٹانا چاہتا ہے لیکن پھر اسے شرشن اور فارس کے بیچ عمر کی دیواریں چُنی دکھائی دیتی ہیں۔ جو ناامیدی کی طرف اشارہ کرتی نظر آتی ہیں۔ اس نظم میں شاعر اس کردار سے اسلامی، عجمی، عربی تہذیب وثقافت کے ساتھ ماضی حال کے واقعات اور مستقبل کے حقائق کو بیان کرتے ہوئے خوشی کا متلاشی ہے۔

تو، اگر دُور کے کُہسار پہ سایہ ہوتا،
مَیں بہت دُور سے آسکتا، میں اپنے دل پر

عُمر کے پُھول لیے روز گذرتا، ___ لمحے
تیرے سائے میں بسر کر سکتا
تیرے سائے میں بسر کرتا ___ مَیں دن بھی، دل بھی
عُمر بھی، عُمر کے دوروز بھی، غم بھی، غم کے
گیت گا سکتا خوشی مل سکتی!
(ہندوستانی درویش اور عراقی / استانزے، ص:۱۰۳)

جیلانی کامران کا شعری مجموعہ "استانزے" جدید اُردو نظم نگاری کی روایت میں ایک نئے تجربے کے طور پر سامنے آیا۔ جس میں پرانی بندشوں سے آزاد شاعری کی گئی ہے جو ہیئتی اعتبار سے ایک انوکھا تجربہ تھا۔ لیکن جیلانی کامران نے اُسے بڑے کمال ہنر سے کر دکھایا، جس بناء پر اُسے آج جدید اُردو نظم نگاری میں اقبال، ن۔ م۔ راشد، میراجی، قیوم نظر، مختار صدیقی، یوسف ظفر، ضیاء جالندھری، افتخار جالب، انیس ناگی، وزیر آغا، مجید امجد کی صف میں شمار کیا جاتا ہے۔

"ہیئتی اعتبار سے بھی جیلانی کامران نے جدید نظم کے مروجہ اسالیب
کی تبدیلی اور زبان کی پرانی بندشوں سے آزاد ہونے پر اصرار کیا۔ ان
کے پہلے شعری مجموعے استانزے کا دیباچہ جدید اُردو نظم کی شعریات میں
نئی نظریہ سازی کی ضرورت پر ہی زور نہیں دیتا ہے بلکہ استانزے کی نظمیں
بہ لحاظ ساخت بھی مروجہ شعری لغت سے انحراف کا عملی نمونہ ہیں۔"(۶)

جیلانی کامران کی نظمیں ایک مخصوص قدیم اسلامی و عجمی روایات سے منسلک ہیں۔ وہ اگر اپنی نظم گوئی کی ان صلاحیتوں کو ایک محدود تہذیبی و ثقافتی اور اخلاقی تناظر تک نہ رکھتے تو آج جدید نظم نگاری میں جیلانی کامران کا مقام و مرتبہ کہیں بلند ہوتا۔ کیونکہ شاعری میں موجود اسلامی و عجمی روایات اور تہذیبی و اخلاقی فکری بندشوں نے ان کی قوت متخیلہ کو اپنے عہد کے تقاضوں سے آمیز کرنے کی بجائے ایک ایسی وجدانی کیفیت سے وابستہ رکھا جس سے ان کی نظموں میں موجود فکری شعور زیادہ تر تہذیب و اخلاق کے ایک مخصوص انداز میں سامنے آتا ہے۔ لیکن جیلانی کامران کا تعلق حلقہ اربابِ ذوق جیسی ادبی بندشوں کے فکری انجماد کو توڑنے والی تحریک سے تھا تو وہ اپنی نظموں میں پوری فکری آزادی کے ساتھ اپنے عہد میں ہونے والے ظلم و استبداد کو نمایاں طور پر اُجاگر کرتے نظر آتے ہیں۔ اُن کی نظم "الجیریا کے لیے ایک گیت" میں موجود تمثالیں اور احساس کا وفور نظم کو ایک ایسا احساساتی تناظر عطا کرتا ہے۔ جس میں شاعر نے ایک طرف تو اپنے ادراکی شعور کے ذریعے اُس مخصوص نو آبادیاتی صورت حال کو بیان کیا ہے جو ایک محکوم قوم کو درپیش ہیں۔ دوسری طرف وہ شُعور کی رو کے ذریعے اینا رشتہ "الجیریا" کے اُن استعمار زدہ عوام سے بھی استوار کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے جو استعمار کاروں کے ہاتھوں ظلم و ستم کی چکی میں بس رہے ہیں۔

بنجر ریت کی ناف پہ اونچے تیل کے نلکے، دروازے
سہ رنگی کترن لہرائے، بکتر بند مشینوں کو
دایاں ہاتھ اُٹھا کے، بایاں پیر ملا کے، پیرس کی
عورت زاد فرانسیسی میں ___ 'لمبی عمر فرانس تری'

کہتے ہیں

سہمے سہمے دوراہے پر، ہلکے ہلکے سُست قدم، دبکی دبکی رات کا پہلو تھام کے پہلے، زرد ہلال، بیٹوں، بچوں، دامادوں کی لاش اٹھائے باب اُداس
آنے والا دوزخ بہتر، اِس دوزخ سے جلد نکال، کہتے ہیں

(الجیریا کے لیے ایک گیت / استانزے، ص:۷۷)

"استانزے کی سب سے موثر نظم "الجیریا کے لیے ایک گیت" ہے یہ نظم اپنے مواد اور ہیئت کے اعتبار سے ساری نظموں سے منفرد ہے۔"(۷)

جیلانی کامران کا دوسرا شعری مجموعہ "نقش کف پا" جو ایک طویل نظم ہے۔ جس میں مختلف کرداروں کے ذریعے اپنے عہد کی عکاسی کی گئی ہے۔ اپنے ماحول کی بے حِسی اور بے فکری کو طویل نظم "نقش کف پا" میں جدید طرز پر ایک تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔ اس طویل یا لمبی نظم کو سات کرداروں کے ذریعے نہایت دلچسپ مکالموں سے مکمل کیا گیا ہے۔ جو آج کے اندھے، خود غرض اور بے حِس معاشرے میں پائے جانے والے عوامل کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ اس نظم کا مرکزی کردار "قیدی" ایک ایسے انسان کی علامت ہے جو زندگی، اس کے تقاضوں اور مقاصد سے تو بخوبی واقف ہے۔ لیکن اپنے اِرد گرد ایک میکانکی زندگی اور بیگانگی کا عالم دیکھتا ہے تو حیرت سے پریشان ہو جاتا ہے کہ جس انسان کو ربِ کریم نے سلامتی اور امن کے ساتھ رہنے اور ایک انسان کا دوسرے انسان سے ہمدردی، محبت، بھائی چارہ اور ایثار جیسے رشتے میں باندھ دیا تھا وہ اب مفقود ہے۔

ہم کسے ڈھونڈ رہے ہیں؟
ہم جِسے ڈھونڈ رہے ہیں وہ کہاں ہے؟
آنکھ کے نور! بتا،
آنکھ کے نور! ہمیں راہ دکھادے، کب کے
راستہ ڈھونڈ رہے ہیں؟ کب کے
زندگی ڈھونڈ رہے ہیں؟ (نقش کف پا، ص:۱۰)

اس طویل نظم "نقش کف پا" میں آگے چل کر اس "قیدی" کردار کے اِرد گرد کچھ اندھے مرد (اندھے مردوں کا کورس) مل کر رقص کرتے ہیں۔ جیلانی کامران نے ان اندھے مردوں کو ماحول کی علامت کے طور پر ظاہر کیا ہے۔ یہ وہ افراد ہیں جو زندگی کے مقاصد سے بیگانہ ہیں۔ ان کے آس پاس سب کچھ موجود ہے لیکن یہ اپنے ارد گرد کی چیزوں کو دیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ روشنی کو تاریکی اور تیرگی کو نور سمجھتے ہیں اور یہ افراد لحاتی خوشیوں میں گم ہیں جنہیں وہ دائمی خوشیاں سمجھتے ہیں۔ زندگی عارضی ہے، موت برحق ہے، موت کے بعد ایک حیات نو ملے گی جس میں آسائشیں یا آلام ملنے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور ہماری زندگی اس آیندہ زندگی کے لیے امتحان ہے۔ لیکن آج کے اس خود غرض معاشرے کا انسان ان سب باتوں سے بیگانہ ہیں۔ انہیں اس عہد کی مشینی زندگی کے مادی مسائل نے گھیر رکھا ہے اور یہ حلقہ بھی خود اُنھوں نے اپنے ارد گرد پھیلا رکھا ہے۔ یہ انسان کسی دکھ یا کرَب سے دوچار نہیں ہیں کیونکہ یہ لوگ لاعلمی کی خوبصورتیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ان کی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں جو انہیں اپنے اِرد گرد پھیلے ہوئے معاشرے کے دکھ، کرَب یا مسائل کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی ہیں اور انہی عارضی خوشیوں کو اپنی زندگی کا کُل اثاثہ سمجھ کر جیے جا رہے ہیں۔

موت کا عمر سے کیا رشتہ ہے؟ جیسے منزل،
راہ کا راہ کی منزل سے نبھا ہے ___ لیکن
راستہ رہتا ہے منزل اپنی
موت مر جاتی ہے !
اصل شئے راہ کی تقدیر ہے باقی سب کچھ
راہ کی گرد ہے جس کو منزل
خاتمہ کہتے ہیں ! ___
سُن، خیالات کی خوراک نہ بن ___
وہم اور فکر کی خوراک نہ بن،
بے سبب موت کی خوراک نہ بن،
راہ کو دیکھ،
اصل شئے عمر ہے، ___
اصل شئے جسم ہے ___،
سن، ہمیں دیکھ !
ہم کبھی موت سے مانوس نہیں ہیں ___ ہم نے
عمر کو زیست کہا ہے اس کی
ہر بری بات کی تعریف کہی ہے، شاید
اس لیے خوش ہیں!

(نقش کف پا، ص:۱۸، ۱۹)

"جیلانی کامران کی ایک اور طویل کرداری نظم جس کا عنوان "نقش کف پا" ہے اپنے عہد کی حسیّت سے انسلاک کے باعث انتہائی اہمیت کی حامل ہے مذکورہ نظم میں نظم نگار نے مختلف کرداروں کی داخلی کش مکش کے ذریعے اس کرَب کو قاری تک پہنچانے کی کوشش کی ہے جس کا منبع زوال پذیر تہذیبی و معاشرتی اقدار اور صنعتی تہذیب کی جبریت ہے۔"(۸)

جیلانی کامران نے اپنی اس طویل نظم "نقش کف پا" میں اس زمین پر حیاتِ انسانی کے مختلف ادوار اور معمولات کا نہایت عمدہ نقشہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بے فکری، خود غرضی اور بے حسی نے انسان کو حیاتِ موجود میں خوشیاں ضرور دی ہیں لیکن انسان ان اقدار سے محروم ہو گیا ہے، جو ایک نسل دوسری نسل کو بطور ورثہ دیتی ہے۔ یوں آج کے عہد میں ہر نسل اپنے دُکھ سُکھ اپنے وجود ہی سے نبھانے لگی ہے اور آج کوئی نسل دوسری نسل کو مثبت اقدار نہیں دے رہی بلکہ اپنی اپنی زندگی کو خوشیوں سے بھرنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے۔ آج کے عہد کا انسان جس بے جہت اور بے سمت زندگی کے جس راستے پر گامزن ہے، اُس کی منزل سے لاعلم ہے وہ صرف

اپنے آس پاس کے خوبصورت مناظر سے خود کو خوش کر رہا ہے۔ لیکن آگے جا کر جہاں راستہ ختم ہو گا، تو پھر اس لمحے اور اُس وقت کیا ہو گا وہ اس سے بے خبر ہے اور اسی بے خبری میں مست ہو کر اپنی زندگی گزارنے کا خواہش مند ہے۔ شاعر ماحول کی بے حِسی و بے فکری کے باعث اس کے وجود میں نہاں اس کرَب کا اظہار اس نظم کے مرکزی کردار "قیدی" کے ذریعے یوں کرتا نظر آتا ہے۔

مَیں خطاکار ہوں، اس ہاتھ پر مَیں نے دُنیا
اور اس ہاتھ پہ مَیں نے سورج
اور اس جسم پہ مَیں نے صدمہ
اپنی پوشاک بنا رکھا ہے! میرے دل میں
چیل کی چیخ ہے، مَیں چیل ہوں لیکن میری
شکل انسان سے موسوم ہے، ہم سب کانٹے
اور آشوب کی روداد ہیں، آؤ، نوچو
میرا دل کاٹ دو، میری آنکھیں
راہ کی نوک سے پھوڑو، میری
قبر پر نام لکھو ___ تو سب سے
جرم کی قبر کا تعویذ ہے ___، کہہ دو، میرا
سانس بھی جرم ہے، یہ جسم بھی، دل بھی، میری
آنکھ بھی جرم ہے!

(نقش کف پا، ص: ۳۴، ۳۵)

"جیلانی کامران کی نظمیں اپنے حوالے سے ایک خاص جدت
اور انفرادیت کی حامل ہیں وہ چھوٹی بڑی ہیئت اور پھر مصرعوں
کی بناوٹ کا بھی ایک خاص انداز رکھتے ہیں۔ نظموں کی ان ہیئتوں
کے بیچوں بیچ وہ ایک طویل نظم کو اس انداز میں پیش کر دیتے ہیں
کہ وہ ایک ڈرامہ اور تمثیل دکھائی دینے لگتی ہے میری مراد یہاں
"نقش کف پا" سے ہے جو ایک طرف زندگی پر توں پر تمثیلی انداز
سے روشنی ڈالتی دکھائی دیتی ہے۔"(۹)

اس طویل نظم میں یہاں "مَیں" سے مراد قیدی خود ہے پھر اس کا ماحول بھی۔ قیدی یہ تصور کرتا ہے کہ اس کا ماحول خطاکار ہے اور قیدی کو اس ماحول میں زندہ رہنا بھی جرم لگتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا ہر فعل جرم ہے چونکہ کردار "قیدی" خدا سے نئے اچھے دنوں کے ظاہر ہونے کی دعا کرتا ہے۔ یعنی وہ نئے خورشید کی دعا کرتا دکھائی دیتا ہے جو اس گمراہی کی تاریکی کو ختم کر دے اور نئی صبح کی طلوع ہونے کے ساتھ انسان ایک نئے سفر کا آغاز کرے، ایسا سفر جس کی منزل سے وہ واقف و آشنا ہو۔

شب کی تکلیف سے نوروز کا دن ہے، کیونکہ

جشن کا روز نیا روز ہے! رحمت اُن پر
جن کے دل درد سے مغموم ہیں اُن کے آنسو
کہکشاں چُنی ہے اور راہ کے قیدی اُن سے
اپنی منزل کا پتہ پاتے ہیں___! سب پر بخشش
خوشنما___! تیری عنایات کی بارش ہے،___ زمیں
جس کی شاہد ہے، ستارے جس کی
خود شہادت ہیں!

(نقش کف پا، ص:۴۸،۴۷)

جیلانی کامران نے اس طویل نظم "نقش کف پا" میں مرکزی کردار "قیدی" کے ساتھ "ایک سایہ"، "لڑکا"، "بُوڑھے درویش"، "عورت کا سایہ" پھر آخر میں "مصنف" جیسے ہر ایک کردار کے ذریعے اس معاشرے کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے کہ انسان اور اس کا سماج زوال پذیر ہے۔ جیلانی کامران کی دوسری طویل نظم "باغِ دنیا" موجودہ حالات پر تبصرہ ہے جس میں ایرانی انقلاب کے رہنما امام خمینی اسلامی نشاۃ الثانیہ کی علامت بن کر اُبھرتے ہیں۔ اس نظم کو چھے منازل میں تقسیم کیا گیا ہے اور آخری منزل کو منزلِ تمام کا نام دیا ہے۔ منزل اوّل میں شاعر نے اس دنیا کی موجودہ صورتحال کو بیان کیا ہے جو انسان کی خواہش اقتدار کے ہاتھوں زیر وزبر ہو رہی ہے۔ کسی آدرش، کسی نصب العین، کسی محبت کے نہ ہونے سے زندگی ایک بے معنی تسلسل بن کر رہ گئی ہے۔ انسان ایک گونگے بہرے لکڑہارے کی طرح لکڑیاں چننے اور گننے کے کارِ لاحاصل میں گم ہے کیونکہ پھر نسل در نسل بھوک ہے، ظلم ہے اور غم ہے۔

باغ دُنیا سے گذرتی ہے صدا
آلِ آدم کے سسکنے کی، تڑپنے کی صدا
اپنے ہی شہر میں گم راہ بھٹکنے کی صدا
رقصِ بسمل کی صدا
خیمہ در خیمہ غمِ دوست کی مجلس کی صدا
باغِ دنیا سے گذرتی ہے صدا

(باغِ دنیا/ جیلانی کامران کی نظمیں، ص:۲۰۱)

"اقبال کے بعد ن۔م۔ راشد اور جیلانی کامران ایسے شاعر ہیں جنھوں نے مربوط فکری باتیں تخلیقی انداز میں کہنے کی کوشش کی، لیکن دونوں کا نظامِ افکار اقبال سے مختلف ہے راشد کی شاعری کا مرکز "حسن کوزہ گر" عنوان کی نظمیں بنتی ہیں اور جیلانی کامران کی شاعری کا مرکز ان کی طویل نظم، "باغِ دنیا"، قرار پائے گی۔ ان کی دیگر نظمیں بھی اِسی ایک نظم کے مرکزی فکر کی جزئیات، تفصیلات اور ارتقاء کو بیان کرتی ہیں۔"(۱۰)

جیلانی کامران طویل نظم "باغِ دنیا" میں منزل اوّل میں انسان کے سفر کے جس راستے کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اگلی منزل دوم، منزل سوم، منزل چہارم اور منزل پنجم میں وہ مختلف بزرگوں کی حکایتوں اسلامی، عجمی، عربی، ہندی تہذیب، روایات کے تاریخی واقعات اور دیگر معاشرتی پہلوؤں سے اپنی اس نظم کی منازل کو بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ چونکہ جیلانی کامران کی تخلیقی دنیا باغِ بہشت کے گرد گھومتی ہے۔ یہ بہشت ان کے نزدیک ایسی دنیا ہے جو شر سے پاک اور خیر کا گہوارہ ہے جہاں حُسن اور تخلیق ہے، جہاں امن، سکون اور محبت ہے ان کی اس نظم "باغِ دنیا" کے مختلف حصوں میں مختلف کہانیوں حکایتوں اور واقعات کے ذریعے مختلف رنگ، مختلف ذائقے اور مختلف مناظر دکھائی دیتے ہیں جس سے مختلف تہذیبوں کی تہذیب و ثقافت اور روایات ہمارے سامنے اُجاگر ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

صوفیا میں
کوئی ایک صوفی تھا جو کالی رنگت کا جُبّہ پہنتا تھا
کالی اماوس کی راتوں میں روتا تھا
کالے ہی پھل پھُول کھاتا تھا
کالی سیاہی میں کالے ورق پر سیاہی کی تحریر لکھتا تھا

(باغِ دنیا/ جیلانی کامران کی نظمیں، ص:۲۰۶)

"ہندی تہذیب، عربی تہذیب، عجمی تہذیب اور آخر میں مغربی تہذیب کے مطالعے کے بعد جیلانی کامران نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ طاقت اور ہوس انسان کو بے راہ کرتے ہیں۔ مردانگی اور دانش یعنی عشق، انصاف اور علم اُسے اِس کھوئی ہوئی منزل کی طرف لے جاتے ہیں۔ جس کی جستجو ہر سفر کی اساس ہے۔"(۱۱)

جیلانی کامران "باغِ دنیا" کی آخری منزل یعنی "منزلِ تمام میں"، "صبح کی نماز کے ساتھ دعا" کے ذیلی عنوان میں وہ انسان کی کوشش اور دعا کو اس منزل کے حصول کا ذریعہ قرار دیتے ہیں وہ منزل "احیا" کی منزل ہے۔ جس کے پس منظر میں "امام خمینی" کی صورت میں انقلابِ ایران کی دھمک سنائی دیتی ہے، جسے جیلانی کامران اسلامی نشاۃ الثانیہ قرار دیتے ہیں۔ "احیا" اس نظم کا مرکزی کردار بن کر "شہر قُم" میں اترتی ہے۔ "مرشدِ قُم" اسے خوش آمدید کہتا ہے۔ یہ احیاء کون ہے، اس کے مقاصد کیا ہیں اور یہ بنی نوانسان کو حقیقی اسلامی، عجمی تہذیب و ثقافت اور روایات کی طرف کیوں لے جانا چاہتی ہے۔

احیا کون ہے؟
احیا عرش سے کب اُتری ہے؟
احیا فرش پہ کب آئی ہے؟
کون سی دُنیا کے اندازِ بیاں لائی ہے؟

عہدِ فُرقت میں جو جیتے ہیں، وہی جانتے ہیں
جن کے دل زخمِ جدائی سے حزیں ہیں

جن کے دل خوابِ جدائی سے حزیں ہیں
جو سمجھتے ہیں، وہی جانتے ہیں

(باغِ دنیا/جیلانی کامران کی نظمیں، ص:۲۶۵)

اس طویل نظم "باغِ دنیا" کی منزل تمام میں "احیا" کی آمد سے ہر طرف خوشی کا سماں بندھ جاتا ہے۔ ''احیا'' کا شاندار استقبال کیا جاتا ہے۔ وہ جہاں سے بھی گذرتی ہے اس کا چرچا ہوتا ہے۔ آلِ ابلیس اس صورت حال سے پریشان ہوتے ہیں اب انہیں صرف انقلابِ ایران کا دکھ و غم لاحق نہیں ہے۔ کیونکہ انہیں یہ خیال بے چین کر دیتا ہے کہ اگر ''احیا'' کا یہ سفر جاری رہا تو پھر ہر طرف اسلامی و عجمی روایات اور نشاۃ الثانیہ کا دخل ہو گا تو کون سا زمین کا ٹکڑا باقی رہے گا جہاں آلِ ابلیس اپنی کاروائیاں کر سکے گی۔ آلِ ابلیس کی اس پریشانی کا جیلانی کامران نے خوبصورت نقشہ کھینچا ہے۔

احیا
وقت کے لکھے ہوئے انجامِ سحر شام میں اُترے گی
عہدِ امکان میں اُترے گی
احیا___ اپنے اِرادوں کے پرستان میں اُترے گی !
احیا...
آج ایران میں اُتری ہے...
کیا خبر___ اور کہاں اُترے گی...
احیا___ دخترِ قُم ہے
احیا اپنے اِرادوں کے حجابات میں گُم ہے
احیا رفت کے ظلمات میں گُم ہے
مُرشدِ قُم کے طلسمات میں گم ہے !

(باغِ دنیا/جیلانی کامران کی نظمیں، ص:۲۵۸)

''نظم "باغِ دنیا" چھ منزلوں میں تقسیم ہے۔ جس میں سے پہلی پانچ منزلوں میں اسی گمراہی اور نشاۃ واحیا کی دعاؤں اور خواہشوں کا بیان ہے۔ جب کہ چھٹی منزل جسے "منزل تمام" کہا گیا ہے اس میں اسی نشاۃ واحیا کا بیان ہے۔ یہ نشاۃ جیلانی کامران کو آیت اللہ خمینی کے لائے گئے انقلابِ ایران میں نظر آتی ہے۔''(۱۲)

''منزل تمام'' میں آگے آلِ ابلیس ''احیا'' کو روکنے کی خاطر ''قُم'' کو برباد کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ اپنے تمام وسائل، تمام ذرائع، تمام دولت، تمام طاقت اسی مرکز پر جمع کر دیتے ہیں، کیونکہ وہ ہر قیمت پر ''احیا'' کا راستہ روکنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کے خلاف پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ منحوس پرندے اُتارے جاتے ہیں، اخباروں میں غلط رپورٹیں دیتے ہیں ''احیا'' کا چہرہ مسخ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ یعنی لوگوں کو ''احیا'' کے خلاف بھڑکانے کا ہر وسیلہ بہ روئے کار لاتے ہیں لیکن ''احیا'' کے آگے آلِ ابلیس

کے تمام حربے ناکام اور وہ بے بس دکھائی دیتے ہیں۔ چونکہ لوگ جان چکے ہیں کہ ''احیا'' ہی ان کی خوشحالی، شادابی اور اُن کا روشن مستقبل ہے۔

کسی قدر تلخ رہی عمر !
کس قدر تلخ رہی زیست !
کس قدر تلخ رہی ہست کی مُہلت !
اَب کسی بچھڑے ہوئے دوست کے مانند خوشی
لوٹ کر آئی ہے
مُسکرانے کی سحر آئی ہے
خود کو پانے کی سحر آئی ہے
اچھے خوابوں کے زمانے کی سحر آئی ہے!

(باغِ دنیا/جیلانی کامران کی نظمیں، ص:۲۷۱)

'' جیلانی کامران کی طویل نظم "باغِ دنیا" میں چار کردار ہیں؛ محبوب، ابلیس ،ملائکہ اورانسان، چار شہر ہیں؛ شہرِ محبوب، شہرِ جدائی، شہرِ شر اور شہرِ وفا اور چار ہی کیفیات ہیں؛ فرقت، سفر، قیام اور تمنا۔''(۱۳)

جیلانی کامران نے اِس نظم کا جس نقطے سے آغاز کیا تھا، انسان کے تہذیبی و تصوراتی سفر کی پوری روداد بیان کر لینے کے بعد نہایت منطقی انداز میں اُسی نقطے پر اختتام بھی کرتے ہیں، جس میں ہر طرف خوشی کا سماں ہے۔ جیلانی کامران کی نظموں میں کرداروں کی بڑی اہمیت ہے جہاں یہ دوسرے کردار اُنھوں نے تخلیق کیے ہیں۔ وہی پر ''نسوانی کردار'' ان کی بیشتر نظموں میں نظر آتے ہیں۔ ان کے پہلے شعری مجموعے ''استانزے'' میں ''ابی نمر'' میں ''فاطمہ'' کا کردار جو شاعر کی محبوبہ کے طور پر سامنے آتا ہے لیکن اس کا اصل تعلق ہمیں اسلامی تہذیب و تاریخ کی طرف اشارہ دیتا ہے جو علامت ہے۔ "میدان کربلا" کے حوالے سے عظیم قربانیوں کو یاد دلاتا ہے ۔''نقش کف پا'' میں ''عورت کا سایہ'' جو علامت ہے روشنی و خوشی کی، ''چھوٹی بڑی نظمیں'' میں ''زلیخا'' میں شاعر کا ماضی شامل ہے جس سے شاعر کی یادیں وابستہ ہیں۔

''دستاویز'' کی نظم ''لڑکی اور کبوتر''، میں بے بس ولاچار کے طور پر ایک نسوانی کردار کو اُجاگر کیا ہے۔ ''شہرِ دوزخ میں لڑکی'' اسی طرح ''باغِ دنیا'' میں ''احیا'' کا کردار جو ایک اسلامی نشاۃ الثانیہ یعنی ''آیت اللہ خمینی'' کے انقلابِ ایران کی علامت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ جیلانی کامران نے اپنی بیشتر نظموں میں نسوانی کرداروں کو اس معاشرے کے مضبوط کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کے ان مضبوط کرداروں میں ایک معصوم کردار ''ننھی بچی'' کا ہے جو نفاست کی علامت اور پاکیزگی کی معراج ہے جس کو شاعر نے قسمت کا معجزہ قرار دیا ہے۔ بلاشبہ اس کی معصوم مسکراہٹ میں مُلکِ ارم کی دلکشی کے ساتھ ساتھ آسمان پر چمکتے ستارے کی چمک بھی پائی جاتی ہے۔ وہ اس رنگ و بو کے عالم میں جہاں مطلب پرستی، بے حِسی، ہوس پرستی اور ظلم نے اپنے اپنے الگ دائرے طے کر رکھے ہیں۔ یہ ''ننھی بچی'' سلامتی کا پیغام ہے وہ خوشی کا حسین لمحہ ہے جس کے لیے دنیا بے قرار ہے۔

وُہ اپنی امی کا ہاتھ تھامے

لڑکپنے سے گزر رہی ہے
جوانی موسم کی آنکھ بن کر
کلی کلی میں نکھر رہی ہے!

لباس فانی، جہان فانی
زمانہ رخصت کی داستان ہے
مگر خوشی کا حسین لمحہ
تمام عالم میں جاوداں ہے!

(ننھی بچی / چھوٹی بڑی نظمیں، ص:۴۵۔۴۴)

اسی طرح جیلانی کامران کی نظموں میں ''طوطے والی لڑکی'' اور ''دستاویز'' میں شامل ''روشنی کی تلاش میں لڑکی'' جیسے نسوانی کرداروں میں جہاں پر معصومیت اور سادگی کو دکھایا گیا ہے وہی پر یہ کردار تہذیبی استعاروں کے آہنگ میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں مجموعی طور پر ان نسوانی کرداروں کے ذریعے تہذیب کے بدلتے ہوئے رنگوں میں اپنی گمشدہ تہذیب کی بازیافت کی خواہش، اپنی تہذیب سے وابستگی کی خواہش اور نئی نسل کا عہد نامہ سے تعلق مضبوط کرنے کے عمل کو اجاگر کیا گیا ہے۔

انیسویں صدی کے آخر میں فرانسیسی زبان میں Verse libre" "کا تجربہ کیا گیا تھا۔ جس میں نظم کے برابر مصرعوں کے آخر میں قافیہ نہیں لایا جاتا تھا، یوں اسے)"verse libre" انگریزی زبان میں (Free verse کہا گیا، جس کا اُردو میں "آزاد نظم" ترجمہ کیا گیا۔ انگریزی زبان میں "ولیم ورڈزورتھ" نے مصرعوں میں بحر کا وزن قائم رکھتے ہوئے ان کی طوالت میں کمی بیشی کا تجربہ کیا تھا۔ لیکن اس کے ہاں مصرے پھر بھی ہم قافیہ ہوتے تھے۔ اس تجربے کو اُردو میں سب سے پہلے تصدق حسین خالد، ن۔م۔راشد اور میراجی نے اپنایا، بعد میں فیض احمد فیض اور مجید امجد نے بھی اس انداز کو اپنایا لیکن بیسویں صدی کے نصف آخر میں ان تجربات میں جیلانی کامران نے ایک اور تجربے کا اضافہ کیا وہ شعری سطر میں اوقاف (Punctuation) کا استعمال تھا۔ یعنی شعری سطر کو دو یا تین یا اس سے بھی زیادہ حصّوں میں توڑنے کا تجربہ اُردو آزاد نظم میں شامل کیا۔

تو، میرے دل نے
یہ کہا_ دوست! مُجھے اپنے بدن میں دو دن
مُسکرانے دے! کہ دن جس کی بدولت دن ہے،
جس جگہ خوش ہے وہ، اُس وقت! مری آنکھوں سے
غیر مانوس ہے!

(یمن کا شاعر جنوبی فرانس میں / استانزے، ص:۵۱)

امن کے شہر کے مینار رنئے ہیں، جن پر
دھوپ کا تاج ہے، اُس دھوپ کا جس سے خرمن
آبرو پاتے ہیں_ اور لوگ خوشی کے تحفے

ساتھ لے جاتے ہیں !

(نقش کف پا، ص:۲۷)

"پروفیسر جیلانی کامران نے ایک ہی فقرے کو دو یا اس سے زیادہ
سطروں میں تقسیم کرنے کی روایت ڈالی۔ اس طرح کہ عروضی
تقاضے بھی تَرک نہیں کیے، لیکن ایک سطر سے دوسرے سطر تک
روانی سے پڑھتے جانے کی ضرورت پیدا ہوئی اور اس طرح ایک
شعری ٹکڑے، بلکہ بعض دفعہ ایک پوری شعری تخلیق کو اس رخ
سے بھی ایک اکائی بنا دیا۔"(۱۴))

جیلانی کامران کا نظموں میں فقرے کو دو یا اس سے زیادہ لائنوں میں تقسیم کرنے کا عمل اسے ایک لسانی تشکیلات جیسی ۱۹۶۰ئ، کی دہائی میں رونما ہونے والی اہم فکری بحث کی طرف لے جاتی ہے۔ اس دور میں لسانی تشکیلات کے علمبر دار افتخار جالب، زاہد ڈار اور انیس ناگی کے ساتھ جیلانی کامران بھی شامل تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ لسانی طے شدہ ڈھانچوں سے باہر آکر ہم اپنے تصورات وخیال کا اظہار کرسکتے ہیں۔ اور یہ کہ کلاسیکی وروایتی طرزِ زباں، جملوں، فقروں، مصرعوں کی بناوٹ، ساخت، استعاروں ،علامتوں، نئے موضوع اور تصور وخیال کے لیے ناکافی ہے، اور مروجہ زبان کے ڈھانچوں سے آج کے تصورات وخیالات کا اظہار ممکن نہیں ہے۔ چوں کہ جدید اور انوکھے و منفرد تصورات وخیالات کے لیے زبان میں تبدیلی لانا بہت ضروری ہے۔ اس نئی لسانی تشکیلات کی فکری بحث میں جیلانی کامران بھی پیش پیش تھے۔ جنھوں نے اپنے شعری مجموعوں، " استانزے " نقش کف پا"، "دستاویز"، "باغ دنیا"، "اور چھوٹی بڑی نظمیں" میں لسانی تشکیلات کے عملی نمونے دیے ہیں۔

" جیلانی کامران لسانی تشکیلات کی تحریک کے ایک اہم شاعر ہیں۔ منفرد لہجے
کے مالک اور اپنی تخلیقی واردات میں کائنات کے مظاہر، احساسِ گزشتہ، اُردو،
فارسی کی صوفیانہ روایت اور مغربی اَدب کے اثرات سموئے اپنی نظم کے ذریعے
جدید اُردو نظم کا دامن وسیع کرتے ہیں۔"(۱۵)

جیلانی کامران کی شاعری میں اسلامی و عجمی تہذیب وثقافت کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ جو نظمیں اسلامی و عجمی روایت کے حوالے سے تخلیق کی گئی ہیں ان میں روحانیت اور تصّوف کی طرف رجحان زیادہ ملتا ہے۔ وہ اس روایت کے حوالے سے ریت، صحرا، چاند، اونٹ جیسے الفاظ کا استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ جیلانی کامران اس روایت کے تحت اسلامی نشاۃ الثانیہ کے احیاء کے خواہش مند ہیں اور ان کا لہجہ رجائیت اور امید والا نظر آتا ہے۔ اس لیے ان کی شاعری میں اسلامی و عجمی روایت اور تہذیب وثقافت کا حوالہ بار بار آتا ہے۔ چونکہ ان کا بنیادی مسئلہ اسلامی و عجمی روایت کے تناظر میں مسلم تشخّص کی بازیافت ہے جو ان کی مرکزی تخلیقی واردات ہے۔ کیونکہ ابتداء ہی سے اسلامی تہذیب وثقافت اور روایت سے وابستگی جیلانی کامران کی تخلیقات کا موضوع رہی ہے۔ "استانزے"، "نقش کف پا"، "دستاویز"، "باغ دنیا"، "چھوٹی بڑی نظمیں"، "اور نظمیں"، "باقی نظمیں" جیسے شعری مجموعے اس کی اسلامی و عجمی تہذیب وثقافت اور روایت سے وابستگی و محبت کا اظہار ہیں۔

میرا باطن خاکِ سفر کی ہر بستی میں بکھرا ہے

شاید آج زمیں کا موسم اُس نسبت سے نکھرا ہے
موت کے بعد اُٹھانے والے
تیرے نام کا حصّہ بن کر زخمی ہو گئے سینے کیوں

(تیرا نام پکارا / دستاویز، ص:۷۰)

مقسوم کہاں میرا، مَیں بخت رسا پاؤں
سیّارے کا دل ڈھونڈوں ذرے میں خدا پاؤں
ظاہر میں سدا بھٹکوں، جاؤں تو کہاں جاؤں؟
اَے مخفی ولا حاصل

(دعا / چھوٹی بڑی نظمیں، ص:۲۵)

"جیلانی کامران نے مذہبی روایات کے احیا کے تصور کو اپناتے ہوئے پاکستانی مسلمانوں کو مذہب کا سہارا دیا اور مذہب کی کھوئی ہوئی ساکھ برقرار رکھی۔ ان کے یہاں مذہب کے ساتھ یقین، وجدان اور اُمید کی کرنیں بھی تازہ دم ہوئیں۔"(۱۶)

جیلانی کامران کی شاعری کے موضوعات وسیع ہیں وہ اپنے وطن سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔ اپنے وطن اور اس میں بسنے والے مسلمانوں کے احیاء تشخّص کے لیے اسلامی نشاۃ الثانیہ کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔ اسی طرح اس دور کے وطن پاکستان کے عظیم شاعر جن سے وہ متاثر تھے ناصر کاظمی اور فیض احمد فیض سے محبت وعقیدت یں ان کے لیے الگ الگ نظم لکھی ہے۔ "فیض احمد فیض" کے عنوان سے جو نظم تخلیق کی ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود جامعیت کی معراج کو چھوتی نظر آتی ہے۔ نظم کے آغاز میں فیض کو شہر کے دل میں شعر گو کی صورت میں پیش کرتے ہیں تو دوسری طرف زمانے میں حُسن کے خوابوں کو اُجاگر کرنے والا ثابت کرتے نظر آتے ہیں۔ پھر اس کی نسبت "اسم احمد" سے بیان کر کے اس کے لفظوں کی تاثیر، ہمت، محبت اور پذیرائی کو اسی نام کا ہدیہ قرار دیتے ہیں۔ یعنی، فیض، فیض ہے فیض جو نئے انداز، نئے روشن دن، نور اور روشنی کا متلاشی تھا وہ اب نہیں ہے۔ اس کے لفظوں کی تاثیر کانوں کی دہلیز سے بہت دور جا بسی ہے۔ اس سے روحِ انسان میں اترنے کا فن چھین لیا گیا ہے۔ جیلانی کامران نے فیض کو ایک عہد کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ایک جیتا جاگتا عہد جو انسان کو انسانی زندگی کے رنگ میں دیکھنے کا عادی ہے جو غم اور خوشی دونوں کا ادراک رکھتا ہے، جو اپنے اشعار سے آلام کا قتل کا ماہر ہے، وہ اب نہیں ہے یعنی ایک عہد جو کہ انسان سے انسان کی شناسائی کا عہد تھا اب ہم میں نہیں ہے۔

شہر کے دل میں تھا، وہ شعر سنانے والا
حُسن کا خواب زمانے کو دکھانے والا
دکھ کے انداز کی اکسیر بتانے والا
فیض کس کا تھا اُسے فیض بنانے والا

اب.....وہ لمحہ ہے

نہ جھونکا ہے
نہ وہ رستہ ہے!.....
اب وہ دنیا بھی نہیں جس کا وہ شیدائی تھا
فیض.....اُمید فزا دن کا تمنائی تھا!

(فیض احمد فیض / اور نظمیں، ص:۸۱، ۸۲)

جیلانی کامران نے اپنی نظموں میں جہاں نئے نئے موضوعات، علامتوں، تشبیہات، نئی ہیئتوں، جدید مغربی رویوں اور رجحانات کو بیان واستعمال کیا ہے وہی وہ اپنی شاعری میں "استعاروں" کا استعمال بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی نظموں میں "سفر" ایک کلیدی استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یعنی کوئی مسافت ہے جو طے ہو چکی ہے، ایک سفر درپیش ہے، کبھی یہ سفر خواب میں طے ہوتا ہے تو کبھی ذہن میں، کبھی یہ سفر شعر وغیرہ میں ہے، کبھی کسی ایسی راہ کا سفر ہے جہاں تک کبھی جانا نہیں ہو سکا۔ کہیں وقت کا سفر ہے تو کہیں پرندوں جیسی مسافرت ہے، ایک سفر ہے جو مختلف شکلوں اور مختلف صورتوں میں ہو رہا ہے بس یہ ہے کہ سمتِ سفر ایک ہے کوئی محوِ سفر ہو، کہیں پر بھی محوِ سفر ہو، سب کی منزل ایک ہے، سب کے سب اس کھوئی ہوئی منزل کی طرف سرگرداں ہیں۔

گزر کرے تو سہی
وہ اُس مقام کی جانب سفر کرے تو سہی
ہمارے عمر میں اُس شام کہکشاں ہو گی !

(وہ لفظ جو بھی کہے / اور نظمیں، ص:۲۶)

ایک رختِ سفر اپنی منزل کا دُکھ
ایک رختِ سفر تیرے چہرے کی خواہش ہے
دونوں کی تاثیر ظالم ہے
دونوں کی تعبیر ظالم ہے

(رختِ سفر / باقی نظمیں، ص:۵۶)

اِسی طرح جیلانی کامران کی شاعری کا ایک اہم استعارہ "تمنا" بھی ہے۔ یہی تمنا ہے جو ہم سے کھو گئی ہے۔ یہی تمنا ہے جو بیٹھنے نہیں دیتی، یہی تمنا ہے جو آمادہِ سفر رکھتی ہے، یہی تمنا ہے جو کوبہ کو لیے پھرتی ہے، یہی تمنا ہے جو ہر مستقبل کا آئینہ ہے، یہی تمنا ہے جو امید پیدا کرتی ہے، یہ محرک بھی ہے اور رہنما بھی، راہ بھی ہے اور منزل نشاں بھی، یہی تمنا فرقت میں وصل کی آرزو سے بے قرار رکھتی ہے۔ کبھی ہم کنار کرتی ہے تو کبھی بے کنار کرتی ہے، یہی تمنا وفا کیش بناتی ہے اور بے راہ نہیں ہونے دیتی۔

علم لایا خرد کی دُعائیں
چاند چمکے گا کس سرزمیں پر
زندگی کس سے باتیں کرے گی
نور چمکے گا کس نازنیں پر___
-----　اس تمنا کے پردے میں ہم نے

تیری سرگوشی　　دشمن سے سن لی!

(ہم نے خود سے / دستاویز، ص:۵۳)

ایک پُھول خواہش کا
اُس نے کِس تمنا سے میری سمت پھینکا ہے
دِل کی کیا حقیقت ہے
سانس سانس مہکا ہے!.....

(صبح کی ہواؤں نے / اور نظمیں، ص:۴۶)

اُس نے پُھولوں میں کسی سوئے ہُوئے گیت کو بیدار کیا
دِل میں اُس گیت کو سننے کی تمنا جاگی
ایک ہی لمحے میں سوئی ہوئی دُنیا جاگی

(کِھل گئے پُھول / باقی نظمیں، ص:۳۲)

"جیلانی کامران کا شمار نئی نظم کے قافلہ سالاروں میں ہوتا ہے۔ جیلانی کامران نے مختصر نظمیں بھی لکھیں ہیں اور طویل بھی ان کی مختصر نظموں میں انسانی باطن کے مختلف رنگ بکھرے پڑے ہیں۔ طویل نظموں میں اُنھوں نے زندگی کا گہرا مطالعہ پیش کیا ہے۔"(۱۷)

جیلانی کامران کی شاعری کی انفرادیت اور اس کا انوکھا اور منفرد لب ولہجہ ہی ان کی شاعری کا اصلی رنگ ہے۔ جیلانی کامران کا شعری مقام و مرتبہ سب سے منفرد اور جدا ہے۔ شاعری میں فطرت اور مظاہرِ فطرت کے پردے میں علامتوں، تشبیہات اور استعاروں کا خوبصورت استعمال، نئے موضوعات، نئی ہیئتوں کا استعمال، متصوفانہ لہجہ، خارجی و داخلی رجحان، خیال، جذبہ، وجدان، ماورائی تصوّرات، مابعد الطبیعاتی فکر، اسلامی نشاۃ الثانیہ کا احیاء مسلم فرد کے تشخص کی فکر، رجائیت، اُمید اور حسرت، اسلامی عجمی روایت، اسلامی تہذیب و ثقافتی عمل، انسانی ہمدردی اور انسانیت سے محبت، نئے مغربی فکری ادبی رویوں اور رجحانات کا استعمال، لسانی تشکیلات کو نئے انداز سے پیش کرنا جیسے عوامل جو حلقہ ارباب ذوق کے معیاراتِ شعر کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں، جو جیلانی کامران کو نہ صرف حلقہ ارباب ذوق کے ایک نمائندہ شاعر کے طور پر ثابت کرتے ہیں بلکہ جدید اُردو نظم کی روایت میں ایک بلند مقام و مرتبہ بھی عطا کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سرور، آل احمد، نئے اور پرانے چراغ، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۵ء، ص:۲۴
۲۔ اعظمیٰ، خلیل الرحمن، آزاد نظم اور اس کے امکانات، (مشمولہ)، علی گڑھ میگزین، (علی گڑھ، شمارہ اول، ۱۹۵۷ء، ص:۱۹۹
۳۔ شمیم حنفی، 'فلیپ' باقی نظمیں، جیلانی کامران، (مرتبہ)، لطیف قریشی، لاہور، ملٹی میڈیا افیئر، ۲۰۰۹
۴۔ عنبرین منیر، ڈاکٹر، جدید اردو نظم میں نفسیاتی عناصر، فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۷ء، ص:۳۵۱

۵۔ ہاشمی، طارق، اُردو نظم اور معاصر انسان، اسلام آباد، پورپ اکادمی، ۲۰۱۵ء، ص:۱۶۳

۶۔ علی، احتشام، جدید اُردو نظم میں عصری حسیت، لاہور، سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۵، ص:۱۱۱

۷۔ انیس ناگی، نیا شعری افق، مشمولہ، جمالیات، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص:۱۴۰

۸۔ علی، احتشام، اُردو نظم میں عصری حسیت، ص:۱۱۲

۹۔ ماجد مشتاق، جیلانی کامران کی شاعری کا فنی و فکری مطالعہ، زبان وادب (تحقیقی و تنقیدی مجلہ) شمارہ:۱۶، (فیصل آباد، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، ۲۰۱۵ء

۱۰۔ ضیاء الحسن، ڈاکٹر، دیباچہ، باقی نظمیں، لاہور، ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۰۹ء، ص:۷

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۰

۱۲۔ قریشی، لطیف، جیلانی کامران ایک مطالعہ، لاہور، ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۰۴ء، ص:۶۱

۱۳۔ ضیاء الحسن، ڈاکٹر، دیباچہ، باقی نظمیں، ص:۷

۱۴۔ قریشی، لطیف، جیلانی کامران ایک مطالعہ، ص:۲۷

۱۵۔ محسن عباس، ڈاکٹر، وزیر آغا کی نظم نگاری، فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۴ء، ص:۸۸

۱۶۔ عنبرین منیر، ڈاکٹر، جدید اُردو نظم میں نفسیاتی عناصر، ص:۳۵۱

۱۷۔ ضیاء الحسن، ڈاکٹر، جدید اردو نظم آغا وار تقاء، لاہور، سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص:۹۵، ۹۶

References in Roman Script

1. Sarwar, Aal-e-Ahmad, Naye aur Purane Chiragh, Lahore: Maktaba-e-Aaliya, 1975, p. 24.
2. Aazmi, Khalil-ur-Rahman, "Azad Nazm aur Is ke Imkanat," in Aligarh Magazine, Aligarh, Issue 1, 1957, p. 199.
3. Shamim Hanafi, "Flap," Baqi Nazmein, Jilani Kamran, compiled by Latif Qureshi, Lahore: Multimedia Affairs, 2009.
4. Ambreen Munir, Dr., Jadeed Urdu Nazm Mein Nafsiati Anasir, Faisalabad: Misaal Publishers, 2017, p. 351.
5. Hashmi, Tariq, Urdu Nazm aur Muasir Insan, Islamabad: Poorab Academy, 2015, p. 163.
6. Ali, Ihtisham, Jadeed Urdu Nazm Mein Asri Hissiyat, Lahore: Sanjh Publications, 2015, p. 111.
7. Anees Nagi, "Naya Sheri Ufaq," in Jamaliyat, Lahore, 1988, p. 140.
8. Ali, Ihtisham, Urdu Nazm Mein Asri Hissiyat, p. 112.
9. Majid Mushtaq, "Jilani Kamran ki Shairi ka Fanni-o-Fikri Mutala," Zaban-o-Adab (Tahqiqi-o-Tanqidi Mujalla), Issue 16, Faisalabad: Department of Urdu, Government College University, 2015.
10. Zia-ul-Hassan, Dr., "Dibacha," Baqi Nazmein, Lahore: Multimedia Affairs, 2009, p. 7.
11. Ibid., p. 10.

12. Qureshi, Latif, Jilani Kamran: Aik Mutala, Lahore: Multimedia Affairs, 2004, p. 61.
13. Zia-ul-Hassan, Dr., “Dibacha,” Baqi Nazmein, p. 7.
14. Qureshi, Latif, Jilani Kamran: Aik Mutala, p. 27.
15. Mohsin Abbas, Dr., Wazir Agha ki Nazm Nigari, Faisalabad: Misaal Publishers, 2014, p. 88.
16. Ambreen Munir, Dr., Jadeed Urdu Nazm Mein Nafsiati Anasir, p. 351.
17. Zia-ul-Hassan, Dr., Jadeed Urdu Nazm: Aaghaz-o-Irtiqa, Lahore: Sanjh Publications, 2012, pp. 95–96.